ترقی کا راز

ایک قوم سے دوسری قوم کو اگر کوئی چیز لینی چاہیے اور کوئی چیز درحقیقت لینے کے قابل ہے تو وہ محض اس کی علمی تحقیقات کے نتائج، اس کی تخلیقی و اختراعی قوتوں کے ثمرات، اور اس کے وہ عملی طریقے ہیں جن سے اس نے دنیا میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کی تاریخ میں، یا اس کی تنظیمات میں، یا اس کے اخلاقیات میں اگر کوئی مفید سبق ہے تو اسے ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ اس کی ترقی اور کامیابی کے اسباب کا پوری چھان بین کے ساتھ استقصا [انتہائی کوشش] کرنا چاہیے، اور ایک ایک چیز جو مفید ہو، اسے لے لینا چاہیے۔ یہ چیزیں انسانیت کی مشترک میراث ہیں۔ ان کی قدر نہ کرنا، اور ان کے لینے میں قومی عصبیت کی بنا پر بخل کرنا محض جاہلیت ہے۔ لیکن ان چیزوں کو چھوڑ کر دوسری قوم سے اس کے پہننے کے کپڑے اور اس کے رہنے سہنے کے طریقے اور اس کے کھانے کی چیزیں مانگنا، اور ان ہی کو ترقی کا ذریعہ سمجھنا، بجز اس کے کہ کند ذہنی کی علامت ہے اور کچھ نہیں۔

کیا کوئی عقل مند ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور کر سکتا ہے کہ یورپ نے کوٹ، پتلون، نائی، کالر، ہیٹ اور بوٹ کے ذریعے سے ترقی کی ہے؟ یا اس کی ترقی کے اسباب یہ ہیں کہ وہ چھری کانٹے سے کھانا کھاتا ہے؟ یا اس کی تزئین و آرایش کے سامان، پاؤڈر اور لپ اسٹک اور کاسمیٹکس وغیرہ اس کو اڑا کر ترقی کے آسمان پر لے گئے ہیں؟ یہ بات اگر نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ نہیں ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ اصلاح و ترقی کا نام لینے والے سب سے پہلے انھی چیزوں کی طرف لپکتے ہیں؟ کیوں ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یورپ کی زندگی میں یہ چمک دمک جو نظر آتی ہے یہ دراصل صدیوں کی پیہم جدوجہد کا ثمرہ ہے، اور جو قوم بھی لگاتار محنت اور صبروعزم کے ساتھ کام کرے گی اس کی زندگی اسی طرح قابلِ رشک ہو سکتی ہے جس طرح آج یورپ کی زندگی پر رشک کیا جاتا ہے؟

ان دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک قوم کا کسی دوسری قوم کے لباس و معاشرت کو اختیار کرنا ایک غیر طبعی اور غیر معقول حالت ہے، اور اس میں کسی پہلو سے بھی کوئی معقولیت نہیں ہے

(سید ابوالاعلیٰ مودودی، "لباس کا مسئلہ"، ترجمان القرآن، جلد ۱۵، عدد ۵، ذی القعدہ ۱۳۵۸ھ، جنوری ۱۹۴۰، ص ۳۶۲-۳۶۳)۔